مواعظِ اختر نمبر ۶۴

کیفِ عشقِ الٰہی

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ تالیفاتِ اختریہ
hazratmeersahib.com

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہے تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

بہ فیضِ صحبتِ ابرارؔ یہ دردِ محبت ہے
بہ امیدِ نصیحت دوستوں کی اشاعت ہے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: کیفِ عشقِ الٰہی

نامِ واعظ: محبی ومحبوبی مرشدی ومولائی سراج الملّت والدّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ قطب زماں مجددِ دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ: ۱۱ جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۸۶ء بروز جمعہ

مقام: مسجد اشرف گلشن اقبال کراچی

موضوع: تقویٰ اور تائب کا مقام

مرتب: حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب دامت برکاتہم
خادمِ خاص وخلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

اشاعتِ اوّل: ۱۲ محرم ۱۴۳۶ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۱۴ء

ناشر: اِدارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۳۸، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات — صفحہ نمبر

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ میں نسبی اولاد کے ساتھ روحانی اولاد بھی داخل ہے......۶

اللہ والوں کے ساتھ ہم نشینی کا انعام......۹

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ..... الخ کی تفسیر......۱۰

اللہ والوں کا کیفِ عشقِ الٰہی......۱۳

اللہ تعالیٰ کی راہ میں آدھی جان دے کر سینکڑوں جانیں ملنے کا مزا......۱۵

اللہ تعالیٰ کے اسم اور ذات میں فاصلہ نہیں......۱۷

شیخ اور مصلح دل کی کھیتی کا نگہبان ہے......۱۸

اللہ کے نام کی عظمت و قدر و قیمت......۱۹

نسبت مع اللہ کیسے عطا ہوتی ہے؟......۲۰

بارگاہِ الٰہی میں ندامت کے آنسوؤں کی قیمت......۲۳

اولیاء اللہ کا مقام......۲۶

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کی تفسیر......۲۹

جہنم کو بغیر نام لئے اور جنت کو نام لے کر ذکر فرمانے پر علمِ عظیم......۳۰

دل میں نیک ارادوں کا آنا فرشتوں کا فیضان ہوتا ہے......۳۱

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ کی تفسیر......۳۲

نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ کی تفسیر... ۳۳

نُزُل کے ساتھ غَفُوۡر اور رَحِیۡم نازل کرنے کی وجہ............................ ۳۳

اَلۡغَفُوۡرُ کے ساتھ اَلۡوَدُوۡدُ نازل کرنے کی وجہ.................................. ۳۴

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ پر ناز اور توکل.. ۳۴

استقامت کی تین اقسام.. ۳۶

صدیق کون ہے؟.. ۳۷

ساری کائنات سے زیادہ قیمتی گفتگو... ۳۸

داعی الی اللہ غیر صالح ہو تو اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی................ ۳۸

برائی کو بھلائی سے دفع کرنے کا صلہ... ۴۰

صبر کی تین اقسام... ۴۰

تصوف کے تین مسائل... ۴۳

خالقِ شمس و قمر سے دوستی کرو... ۴۴

کیفِ عشقِ الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا
تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ
اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ج وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْٓ
اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ○

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ: آیت ۳۰۔۳۲)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ ---- اِلَّا ذُوْ حَظٍّ
عَظِیْمٍ ○ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ----
وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَہُنَّ

(ایضاً: آیت ۳۳۔۳۷)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْہُمْ ذُرِّیَّتُہُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِہِمْ
ذُرِّیَّتَہُمْ وَمَآ اَلَتْنٰہُمْ مِّنْ عَمَلِہِمْ مِّنْ شَیْءٍ ط

(سورۃ الطور: آیت ۲۱)

اَلْحَقْنَا بِہِمْ ذُرِّیَّتَہُمْ میں نسبی اولاد کے ساتھ روحانی اولاد بھی داخل ہے

جب کوئی داخل سلسلہ ہوتا ہے تو چاروں سلسلوں کے مشائخ اور

اولیاء اللہ کی روحانیت اوران کا فیضان، اہل سلسلہ پر مرتب ہوتا ہے۔اس لئے جو بزرگان دین ہیں، اولیاء اللہ ہیں ان کے ساتھ لگے رہو، ان شاء اللہ جیسے وہ کامیاب ہوں گے، تم بھی کامیاب ہو جاؤ گے جیسے ریل کا تھرڈ کلاس کا ڈبہ لڑکھڑاتا ہوا چلتا ہے، اگرچہ کمزور ہے اور انجن قوی ہے مگر جہاں شاندار ڈبے اور انجن پہنچتا ہے وہاں اس کے ٹوٹے پھوٹے ڈبے بھی پہنچ جاتے ہیں، لہٰذا اپنے بزرگوں سے ہمیشہ وابستگی اور تعلق مضبوط رکھو چاہے خود عمل میں کمزور ہو۔ اور یہ بات قرآن سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَمَآ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَيۡءٍ﴾

(سورۃ الطور: آیت ۲۱)

جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کا اتباع کیا یعنی وہ بھی ایمان لائی مگر اپنے بزرگوں جیسے عمل نہ کرسکی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کو ان کے بزرگوں کی برکت سے انہی کے ساتھ لاحق کردیں گے، ملا دیں گے اور ان بزرگوں کے اعمال میں سے کچھ کمی نہیں کی جائے گی یعنی یہ نہیں کہ بزرگوں کے نوافل ان کی اولاد کو دے کر خود ان کے اعمال گھٹا دیں۔ نہیں۔ ﴿وَمَآ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَيۡءٍ﴾ ان کا عمل کم نہیں کیا جائے گا بلکہ اولاد کو اپنے کرم سے درجات میں بڑھا کر ان کے ساتھ کردیں گے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کے ذیل میں تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس سے مراد نسبی اولاد کی طرح اولادِ روحانی بھی ہے، یعنی نسبی تعلق سے اگر کسی کا دادا بڑا ولی اللہ بن گیا تو اس کی برکت سے اس کے پوتوں اور نواسوں کو بھی اللہ نواز دے گا لیکن فرض، واجب، سنت مؤکدہ ادا کرتا ہو، یہ مطلب نہیں کہ وہ نماز وغیرہ سب چھوڑ دے۔ اگر تکثیرِ طاعتِ نافلہ نہیں ہے، اگر اس کی بہت زیادہ نفلی عبادتیں نہیں ہیں تو بھی وہ اپنے بزرگوں کے طفیل، اپنے باپ دادا کی برکتوں سے فیضیاب ہوکر اسی مقام پر پہنچ جائے گا۔

تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں روحانی اولاد بھی شامل ہے، وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کا تعلق اللہ والے اساتذہ، مشائخ اور بزرگانِ دین سے ہے، وہ بھی محروم نہیں رہیں گے چاہے عمل میں ان کے درجے کے نہ ہوں۔ تو بھئی! ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ خون کا رشتہ نہ سہی بہرحال روحانی رشتے سے بزرگوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ جو کانٹے پھولوں کے دامن میں چھپے ہوتے ہیں، اللہ کی رحمت سے وہ بھی باغ ہی میں رہتے ہیں اور مالی انہیں گلستاں سے باہر نہیں نکالتا۔

چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گلِ تر کے
تعجب کیا چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

جب مالی چمن سے کانٹے اور جھاڑ جھنکاڑ کو صاف کرتا ہے تو اُن کانٹوں کو چمن سے نہیں نکالتا جو پھولوں کے دامن میں پناہ لئے ہوتے ہیں کیونکہ اگر اُن کانٹوں کو باہر کرے گا تو پھول سے جو اُس کا تعلق اور کنکشن (Connection) ہے اُسے کیسے ختم کرے گا چنانچہ دامنِ برگِ گل میں جن کانٹوں کے منہ چھپے ہوئے ہیں، گلاب کے پھول میں جو کانٹے پوشیدہ ہیں اگر کوئی اس کانٹے کو توڑنے لگے تو باغبان منع کرتا ہے کہ خبردار! ان کانٹوں کو مت توڑنا۔ یہ میرے پھولوں کے پاسبان ہیں، انہیں سے پھولوں کی حفاظت ہے۔ اسی کو میں نے دوسرے شعر میں بیان کیا ہے۔

مجھے احساس ہے تیرے چمن میں خار ہے اخترؔ
مگر خاروں کا پردہ دامنِ گل سے نہیں بہتر

اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آں خارمی گریست کہ اے عیب پوشِ خلق
شد مستجاب دعوت او گلعذار شد

ایک کانٹا زبانِ حال سے رو رہا تھا کہ اے مخلوق کے عیب چھپانے والے خدا! میرا عیب کیسے چھپے گا کہ میں تو کانٹا ہوں۔ اس کی یہ فریاد و گریہ وزاری قبول ہوئی اور حق تعالیٰ کے کرم نے اس کی عیب پوشی فرمائی کہ اس پر پھول اُگا دیا جس کی پنکھڑیوں کے دامن میں اس خار نے اپنا منہ چھپالیا۔ پس اگر ہم کانٹے ہیں، نالائق ہیں تو ہمیں چاہیے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا کریں تو ہم بھی اللہ والے ہوجائیں گے، اگر کاملین میں نہ ہوئے تو تائبین میں تو ان شاء اللہ ضرور اٹھائے جائیں گے، مثل خار کے محروم نہ رہیں گے۔

اللہ والوں کے ساتھ ہم نشینی کا انعام

بخاری شریف کی حدیث ہے:

((هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ))

(صحیحُ البخاری (قدیمی)، کتابُ الدعوات، باب فضل ذکر الله عزَّ وجلَّ، ج: ۲، ص: ۹۴۸)

اس کی شرح میں محدث عظیم علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((اِنَّ جَلِيْسَهُمْ يَنْدَرِجُ مَعَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ مَا يَتَفَضَّلُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ عَلَيْهِمْ اِكْرَامًا لَّهُمْ))

(فتح الباری: ج ۱۲ ص ۱۷۹، دار الکتب العلمیة)

کہ جو لوگ اہل اللہ سے تعلق رکھتے ہیں تو اللہ والوں کے ساتھ بیٹھنے والوں کو اللہ انہی کے ساتھ مندرج اور رجسٹرڈ فرما دیتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ مفعول لہ آگے آرہا ہے اِكْرَامًا لَّهُمْ، جیسے وزیر اعظم آتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا باورچی بھی آتا ہے اور نوکر چاکر بھی آتے ہیں، تو مملکت ان نوکروں کا بھی خیال رکھتی ہے۔ اصل میں یہ اکرام اس وزیر اعظم کا ہے۔ اور دنیاوی کانٹا تو پھولوں کے دامن میں رہنے کے باوجود کانٹا ہی رہتا ہے لیکن اللہ والے ایسے پھول ہیں جو کانٹوں کو بھی پھول بنا دیتے ہیں، جو کانٹا ان پھولوں کے دامن میں منہ

چھپا لیتا ہے تو ان کی صحبت کی برکت سے آہستہ آہستہ ان کی خلعتِ خاریت پر خلعتِ گل چڑھا دیا جاتا ہے، یعنی کانٹوں کے لباس کو اللہ تعالیٰ پھولوں کا لباس عطا کردیتا ہے۔

وہ ان کا رفتہ رفتہ بندۂ بے دام ہوتا ہے
محبت کے اسیروں کا یہی انجام ہوتا ہے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا دھوبی بغداد میں انتقال کرگیا۔ جب منکر نکیر نے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ اللہ کون ہے؟ تو اس دھوبی نے جواب دیا کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو، میں تو شیخ عبدالقادر جیلانی، بڑے پیر صاحب کا دھوبی ہوں! اب بظاہر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ وہ تو پوچھ رہے تھے تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ یہ جواب کیا ہے کہ میں تو حضرت کا دھوبی ہوں، حالانکہ اسی جواب میں سب باتوں کا جواب ہے، ظاہر ہے اتنے بڑے ولی اللہ کی صحبت میں جو رہے گا اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، وہ اپنے اللہ کی راہ پر مستقیم ہوگا، جان و مال اپنے اللہ پر فدا کرنے کے جذبات اس کے دل میں ہوں گے، اس نے اس جملہ میں سب بتادیا جیسے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سے منکر نکیر نے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ انہوں نے فرشتوں سے پوچھا۔ آپ کا رب کون ہے؟ تو فرشتوں کو بڑی حیرانی ہوئی کہ کیسا سوال اور کیسا جواب۔ پھر حضرت رابعہ بصریہ نے فرمایا کہ میں نے ساری زندگی زمین کے اوپر خدا کی یاد میں اپنی جان کو جلایا ہے اور میں تو ابھی زمین کے دو گز ہی نیچے آئی ہوں تو کیا میں اللہ کو بھول جاؤں گی اور تم اتنی دور آسمان سے آرہے ہو، تم بتاؤ تمہیں اللہ یاد بھی ہے یا نہیں؟

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ۔۔۔ الخ کی تفسیر

خطبہ میں جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں کہ جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے،ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے اتریں گے(موت کے وقت، پھر قبر میں، پھر قیامت میں) کہ اب تم نہ اندیشہ کرو اور نہ کوئی رنج کرو(کیونکہ آ گے تمہارے لئے امن اور نعم البدل ہے)اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے ۔اس جنت میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا ،موجود ہے اور جو مانگو گے وہ بھی فوراً مل جائے گی ۔یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفوررّحیم کی طرف سے۔

(ترجمہ از بیان القرآن ج ۳،ص ۳۳۰ مطبوعہ ملتان)

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ﴾ ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے،عربی قاعدے سے یہ اَللّٰہُ رَبُّنَا تھا کیونکہ عربی میں مبتدا پہلے ہوتا ہے خبر بعد میں آتی ہے۔ اَللّٰہُ رَبُّنَا ۔اللہ ہمارا رب ہے مگر اللہ نے رَبُّنَا اللّٰہُ کیوں نازل کیا؟ اللہ کا اسم جلالہ جو مبتدا ہے اس کو مؤخر کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نحو کا ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ تَقۡدِیۡمُ مَاحَقُّہُ التَّاخِیۡرُ یُفِیۡدُ الۡحَصۡرَ جس چیز کا حق مقدم ہو اس کو مؤخر کر دیا جائے تو اس میں حصر کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں لہٰذا حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اسی عربی قاعدے سے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ہمارا رب حقیقی ’’صرف‘‘ اللہ ہے۔جیسے اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ میں بھی قاعدے سے جار مجرور بعد میں آتا ہے پہلے فعل آتا ہے، عبارت یوں تھی اَلَا تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ بِذِکۡرِ اللّٰہِ لیکن اللہ تعالیٰ نے بِذِکۡرِ اللّٰہِ کو مقدم کر دیا۔ حضرت نے وعظ راحۃ القلوب میں فرمایا کہ جو شخص یہ ترجمہ کرے گا کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو چین ملتا ہے وہ غلط ترجمہ ہوگا کیونکہ بِذِکۡرِ اللّٰہِ کو اللہ نے مقدم فرما کر حصر کے معنی بیان کر دیئے ،کیا مطلب؟ ’’صرف‘‘ لگانا پڑے گا کہ کائنات میں صرف اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین مل سکتا ہے،غیر اللہ سے کبھی

چین نہیں مل سکتا، جیسے موتی کے خمیرے سے دل کو طاقت ملتی ہے، کیا مطلب؟ اور چیزوں سے بھی مل سکتی ہے لیکن مومن کی روح کو طاقت اللہ کے ذکر ہی سے ملتی ہے۔ اللہ کی یاد میں جینا مرنا ہی اس کی زندگی ہے۔ خدا کو چھوڑ کر سارا جہان مل جائے، ایک مملکت نہیں ہفت اقلیم کے سلطان بن جاؤ، سارے جہان کی دولت قدموں میں ہو، ساری مملکت، بریانی، مرغ اور قورمے، شاندار مکان، لباس اور جتنی بھی لذتیں ہیں سب ہوں لیکن اللہ نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی مچھلی کو پانی سے نکال کر ساری دنیا کی ٹیڈیاں، سینما، ویڈیو، ریڈیو، دنیا بھر کی خباثتیں اور حلال و حرام سب پیش کردو، لیکن مچھلی کیا کہے گی! وہ کہے گی جو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

گرچہ در خشکی ہزاراں رنگ ہاست

ماہیاں را با یبوست جنگ ہاست

اے دنیا والو! اگر خشکی میں تم ہمیں ہزاروں رنگینیاں پیش کرو، ہزاروں لذتیں اور تمام دنیا کی رنگینیاں، بہاریں پیش کرو لیکن ہم مچھلیوں کے لئے خشکی کی تمام نعمتیں موت کی دعوت دیتی ہیں، وہ ہماری حیات نہیں ہیں، ہماری حیات پانی میں ہے، اگر تم ہمیں پانی میں ڈال دو اور کوئی رنگینی نہ پیش کرو بلکہ پانی کی لہروں اور وہاں کے طوفانوں میں اور گھڑیالوں اور مگر مچھ جیسے خوفناک جانوروں کے ساتھ رہنے کے باوجود ہم اپنی حیات محسوس کرتی ہیں، وہ پانی کے طوفان ہمارے لئے حیات کا پیغام دیتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا ایک شعر یاد آیا۔

موت ہی میں حیات کا جس کو ملا پیام ہو

اس کو مزا ملے گا کیا نعرۂ زندہ باد میں

اللہ والوں کا کیفِ عشقِ الٰہی

آ گے اللہ والوں کی کیفیات بیان فرماتے ہیں کہ ہم لوگ تو اللہ والوں کی صورت بنائے ہوئے ہیں، نقال ہیں، خود اللہ والوں کا کیا عالم ہوتا ہے؟ فرماتے ہیں ؎

کیف میں تو نے ڈوب کر چھیڑی جو داستانِ عشق
قابو رہا نہ ضبط پر رونے لگا میں داد میں

تو مچھلیوں کو پانی کے طوفانوں میں حیات ہے، اسی طرح مؤمن کو اللہ کے راستے کے تمام کانٹے، شہادتیں، نماز روزے کی محنتیں، نظر بچانے میں جو تکلیف دل کو ہوتی ہے، جتنی بھی تکالیف خدا کو راضی کرنے میں ہوتی ہیں تو ان تمام تکالیف میں ان کو ہر لحظہ حیاتِ جدید عطا ہوتی ہے، حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں

اور میرا شعر ہے ؎

انہیں ہر لحظہ جانِ نو عطا ہوتی ہے دنیا میں
جو پیشِ خنجرِ تسلیم گردن ڈال دیتے ہیں

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہر دم جان کی بازی لگانے کا تہیہ کرلیا ہے کہ خدا کی نافرمانی سے بچیں گے ؎

کشتگان خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

اللہ کے اور مخلوقِ خدا کے حقوق ادا کرنے میں اور خاص طور پر اللہ کے مقبول بندوں کے حقوق ادا کرنے میں کچھ بھی ہو، جان کی بازی لگا دیں گے، تو

پھر کیا ہوگا ؎

کوئی جیتا کوئی مرتا ہی رہا
عشق اپنا کام کرتا ہی رہا

بس جان کی بازی لگانے کا ارادہ کرلو تو یہ میرا وعدہ ہے کہ اللہ کو خوش کرنے میں کوئی مرتا نہیں ہے، صرف جان آدھی ہوجاتی ہے، مثلاً ہوائی جہاز میں کوئی حسین ائر ہوسٹس سامنے آگئی، آپ کا دل تڑپ کر رہ گیا کہ اس کو ایک نظر دیکھ لوں، مگر آپ نے کہا کہ ہرگز نہیں دیکھوں گا ؎

نہ دیکھیں گے نہ دیکھیں گے انہیں ہرگز نہ دیکھیں گے
کہ جن کے دیکھنے سے رب مرا ناراض ہوتا ہے

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر خدا کے راستے میں گناہ چھوڑنے سے آپ کی آدھی جان چلی جائے، غم اٹھا اٹھا کر آرزوؤں کا خون پی پی کر آدھی جان ہوگئے لیکن ؎

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
انچہ در وہمت نہ آید آں دہد

تمہارا پالا ایسے کریم مالک سے پڑا ہے کہ جو آدھی جان لے کر سو جانیں عطا کرتا ہے یعنی وہ آدھی جان جو لی ہے، وہ بھی واپس کرے گا اور اس پر سو جان اضافہ مستزاد ہوگا اور فرمایا سو جان کی مثال اس لئے دے رہا ہوں کہ تم جان کو سمجھ سکتے ہو کیونکہ جان تو تمہارے اندر ہے۔ تم جان کا، زندگی کا مزہ چکھ چکے ہو، لیکن کچھ اور دیں گے جو کوئی سمجھ نہیں سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ایسی ایسی اپنے قرب کی تجلیات اور لذات عطا کرتے ہیں کہ خود ان کا اپنا وہم و گمان بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔

((مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ))

(صحیح البخاری (قدیمی): ج ۱ ص ۴۶۰)

اللہ تعالیٰ جس طرح جنت میں جنتیوں کو ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائیں گے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا حتیٰ کہ کسی کے دل میں اُس کا خیال بھی نہیں آئے گا، اسی طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے عاشقین کو اپنے قرب اور دردِ محبت کی ایسی ہی لذتیں عطا فرمائیں گے کہ جو خود اُن کے دل میں بھی نہیں آیا ہوگا۔ان کے دل کی ایسی لذت کو ان کی زبان بیان کرنے سے قاصر ہوجائے گی، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بوئے آں دلبر چوں پراں می شود
ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

جب اللہ تعالیٰ کے قرب کی خوشبو عرش اعظم سے اُڑ کر فرش والوں کو عطا ہوتی ہے تو جتنی زبانیں ہیں، سب اس کی لذت کو بیان کرنے سے قاصر رہ جاتی ہیں کیونکہ زبان مخلوق ہے، محدود ہے، خالق، غیر محدود کے قرب کا مزا کیسے بیان کرسکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کی راہ میں آدھی جان دے کر سینکڑوں جانیں ملنے کا مزا

تو میرے دوستو! نظر بچانے سے، اپنی آرزوؤں کا خون کرنے سے آپ نیم جاں ہو گئے لیکن ایمان کہاں سے کہاں پہنچا! بڑے بڑے فاسق نافرمان اہل اللہ کی صحبتوں کی برکت سے گناہ چھوڑ کر کیا سے کیا ہوجاتے ہیں ؎

ہائے جس دل نے پیا خونِ تمنّا برسوں
اس کی خوشبو سے یہ کافر بھی مسلماں ہوں گے

اگر کوئی نواب، کوئی رئیس یا کوئی بادشاہ ساری دنیا کا مزا اڑا لے تو اس کی جان ایک ہی رہے گی بلکہ جان اور تحلیل ہوجائے گی۔ جتنے دنیا کے مزے ہیں وہ ہماری جان کو آہستہ آہستہ کمزور کرتے ہیں لیکن جو لوگ اللہ کی راہ میں

مجاہدہ کرتے ہیں اور مجاہدہ کرتے کرتے زیادہ عمر والے ہو جاتے ہیں تو ان کی جان تحلیل نہیں ہوتی بلکہ خالق و مالک کی طرف سے ان کی جان کو ہر لمحہ نئی جان عطا ہوتی ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

جنہوں نے اللہ کے ہر حکم کے سامنے خوشی خوشی اپنا سر جھکا لیا، اپنی خواہشات کو نہیں دیکھا، اپنا دل نہیں دیکھا، اپنے دل کی آرزو کی طرف نہیں دیکھا، یہ دیکھا کہ خاک میں کس نے ملایا، آرزوؤں کو خاک میں ملانے والا کون ہے؟

خاک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ
شکر کر مٹی سوارت ہوگئی

جس نے اپنی آرزوؤں کو اللہ کے نام پر خاک میں ملایا، جس نے اپنی مٹی کو خدا کی مرضی پر مٹی کر دیا یعنی اس کی آرزوؤں کی رنگین مٹی خاک ہوگئی تو اس نے اپنی مٹی کا حق ادا کر دیا۔ ان کی جان کو ہر لمحہ نئی جان عطا ہوتی ہے، پھر ذکر و تلاوت سے، تسبیحات و معمولات سے، اہل اللہ کی صحبتوں سے وہ قربِ الٰہی کی نئی نئی منزلیں طے کرتے ہیں، اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی جلد ۵ میں لکھا ہے جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، چاہے ابھی نسبت عطا ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن دروازے تک وہ پہلے دن ہی پہنچ جاتے ہیں۔ وہ پہلا دن جس دن وہ تسبیح لے کر کسی اللہ والے کے مشورے سے اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں، اسی دن وہ اللہ کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں، پہلے ہی دن ان کو یہ مقام مل جاتا ہے۔ اَلذَّاکِرُ کَالْوَاقِفِ عَلَی الْبَابِ ذکر کرنے والا مثل اس شخص کے ہے جو دروازے پر کھڑا ہوگیا، چوکھٹ پر پہنچ گیا، ذکر کی برکت سے ایک غلام کہاں ساتوں آسمان عبور کر کے عرشِ اعظم پر، مالک کے دروازے پر

پہنچ جائے یہ کیا معمولی نعمت ہے! اس کے بعد خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر عمل کرو ؎

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اِس پہ ہو کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ذکر، ذاکر کو مذکور تک پہنچا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسم اور ذات میں فاصلہ نہیں

دنیا میں تو ہوسکتا ہے کہ ہم کسی کا نام لیں اور وہ یہاں موجود نہ ہو مثلاً میں نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کا نام یہاں لیا اور ان کا مسمیٰ ہردوئی ہندوستان میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا نہیں ہوسکتا کہ ان کا بندہ، ان کا عاشق کہیں نام لے اور اللہ کہیں اور ہو، اللہ تعالیٰ کے نام میں اور مسمیٰ میں فاصلے نہیں ہیں، اللہ کا اسم اور ان کا مسمیٰ ساتھ ساتھ، لازم وملزوم ہیں، جس نے اس کا نام لیا اس نے مسمیٰ کو بھی پالیا۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی یہ خصوصیت دنیا میں کسی کے ساتھ نہیں، نہ کسی نبی کے ساتھ، نہ کسی ولی کے ساتھ، نہ کعبے کے ساتھ، نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ))

(شعب الایمان للبیہقی: فصل فی ذکر اللہ عزّوجلّ، جزء ۲ ص ۱۷۱، (مکتبۃ الرشد ریاض))

جہاں میرا نام لیا تم مجھے اپنے پاس پاؤ گے، تم میرا نام تو لے کر دیکھو، مجھے اپنا ہم نشین وجلیس پاؤ گے۔ تو کیا یہ معمولی نعمت ہے!

تو اللہ والوں کے مشورہ سے ذکر شروع کردو اور اللہ والوں کا مشورہ اس لئے کہتا ہوں کہ جیسے دنیا کی کھیتی خود نہیں اُگتی، اس کا کوئی کھیتی والا ہوتا

ہے جسے کسان کہتے ہیں، دنیا میں کوئی کھیت میں بیج ڈالے اور اس کا کوئی نگہبان نہ ہوتو وہ دانے مرجائیں گے۔ کسان دیکھتا رہتا ہے کہ کوئی خودرو جنگلی گھاس تونہیں اُگ رہی جو میرے دانوں کی غذا کو چوس رہی ہوتو وہ اس کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے، اسی طرح اگر اللہ والوں سے تعلق اور ان کی رہنمائی نہیں ہوگی تو آخرت کی کھیتی برباد ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ اللہ والوں کے ساتھ رہو۔

شیخ اور مصلح دل کی کھیتی کا نگہبان ہے

اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں فرمایا کہ اپنوں میں جب رہنا تو غیروں سے بھی دور رہنا:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○

(سورۃ الفاتحۃ: آیت ۷)

یعنی یہودی جن پر غضب نازل ہوا اور نصاریٰ جو گمراہ ہو گئے، یہ ہمارے غیر ہیں، ان سے دور رہنا، اپنوں میں رہو اور غیروں سے دور رہو۔ جو دانہ گندم کا بویا ہے، گندم کے دانوں کو کھیت میں رہنے دو، کوئی اور گھاس اُگ آئے تو اس کو اکھاڑ کر پھینک دو۔ یہ کون کرے گا؟ یہ دانہ نہیں کرتا، گندم بے چاری کیا کرے گی، کسان ہونا چاہیے جو گھاس کو نکالے، آخرت کی کھیتی بھی خود نہیں اُگتی، اس کا کسان یہی شیخ ہے۔ شیخ جو ہوتا ہے یہ ہمارے دلوں سے غیر اللہ کو نکالتا ہے، اگر اللہ والوں سے تعلق اور ان کی رہنمائی نہ ہوگی تو آخرت کی کھیتی برباد ہوسکتی ہے، کہیں جاہ سے، کہیں باہ سے، کہیں کینہ، حسد، ریا وغیرہ سے، بغض وعداوت سے، ماں باپ بیوی بچوں کے حقوق ضائع کر کے اُن کی آہ لینے سے۔ ان امراض کی اصلاح کے لئے شیخ کیا جاتا ہے تاکہ نیک اعمال کر کے جو

کھیتی لگائی ہے وہ اُس کی حفاظت کرتا رہے۔

اس کے بعد پھر ایک دن ان شاء اللہ، اللہ اللہ کرتے کرتے، ذکر اللہ کرتے کرتے اللہ کو پا جائیں گے، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ موت تک صدا لگاتے رہیں گے اور اللہ آپ کو نہیں ملے گا؟ یہ ناممکن ہے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے قسم اٹھائی ہے کہ خدا کی قسم دنیا میں خدا کا کوئی عاشق ایسا نہیں ہے جسے خدا نہ ملا ہو اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

عاشق نہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

اللہ کا کوئی ایسا عاشق نہیں ہوا جس پر اللہ نے نظرِ عنایت نہ فرمائی ہو، اے دنیا والو! تم کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد ہی نہیں ہے ورنہ ہر جگہ خدا ہے اور خدا سے ملانے والے لوگ موجود ہیں۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ذکر کرتے کرتے چاہے دس سال لگ جائیں، بیس سال لگ جائیں، ایک تو ان کا نام لینا خود انعام ہے۔ اللہ کا نام لینا اللہ کی محبت کا انعام ہے، جو خدا کو بھول گیا وہ اللہ کے انعامِ محبت سے محروم ہو گیا، کیا محبوب کا نام لینا یہ انعام محبت نہیں ہے؟ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا حضرت! اتنے روز تک ذکر کیا لیکن فائدہ نہیں ہوا۔ فرمایا ظالم! یہ فائدہ کیا کم ہے کہ تو ان کا نام لے رہا ہے، خدا کا نام لینے کی توفیق ہو رہی ہے ؎

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر

تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

اللہ کے نام کی عظمت وقدر و قیمت

ان کا نام لینا ہی ساری کائنات سے افضل ہے کہ ساری کائنات کی

روح اللہ کے نام ہی سے قائم ہے، جب زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں رہے گا تو قیامت آجائے گی:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يَبْقٰى فِي الْاَرْضِ اَحَدٌ يَّقُوْلُ: اَللّٰهُ اَللّٰه))

(مسند البزار: جز ۱۳ص ۱۶۹ (مكتبة العلوم والحكم؛ المدينة المنورة))

جب تک اللہ اللہ کہنے والا، اللہ کا نام لینے والا ایک بھی بندہ موجود ہے تو یہ سورج اور چاند کا نظام قائم ہے، ستاروں کا نظام قائم ہے، سارے عالم کی روح، ساری کائنات کی روح ایک اللہ کے نام پر قائم ہے۔ جس دن زمین پر اللہ اللہ کہنے والے نہیں ہوں گے تو قیامت آجائے گی، جن کے لئے شامیانہ لگایا تھا جب وہ نہ رہیں گے تو سب شامیانہ وغیرہ اکھاڑ دیا جائے گا، سارے عالم کی روح نکل جائے گی اور جیسے انسان کی روح نکل جاتی ہے تو ایک دم گرجاتا ہے، تو جب ساری کائنات کی روح نکل جائے گی تو سورج و چاند گر پڑیں گے، ستارے گر پڑیں گے، آسمان پھٹ جائے گا، سمجھ لو اس کو کہ ایک اللہ جل جلالہ جب ہم کہتے ہیں تو ساری کائنات اس کے دم سے قائم ہے۔ یہ اللہ کا نام لینا معمولی نعمت مت سمجھنا۔

نسبت مع اللہ کیسے عطا ہوتی ہے؟

تو میں عرض کررہا تھا کہ ایک دن ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ضرور آئے گا کہ ذکر اللہ کی برکت سے اور اللہ والوں کی دعاؤں اور ان کی صحبتوں کی برکت سے دروازہ بھی کھل جائے گا اور اللہ تعالیٰ بھی مل جائے گا۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب خدا نسبت عطا کرتا ہے تو ذکر اللہ میں تو دیر لگے گی، دو سال دس سال آپ ذکر کرتے رہیں، ساری زندگی کرتے رہیں، یہ آپ کی اختیاری نعمت ہے، دروازہ کھولنا آپ کے اختیار میں نہیں، یہ ان کا کام ہے ؎

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اِس پہ ہو کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

لیکن حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نسبت تدریجاً عطا نہیں ہوتی کہ تھوڑی سی آج مل گئی تھوڑی سی کل بلکہ اچانک، بیک وقت ملتی ہے جیسے دروازہ تدریجاً نہیں کھلتا۔ پھر دل محسوس کرلیتا ہے کہ آج ہم کو خدا مل گیا۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے القاءِ نسبت کو اپنے اس شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑگئی لَو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

تو حضرت فرماتے ہیں نسبت اچانک عطا ہوتی ہے، بیک وقت آنِ واحد میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ذات میرے قلب میں آگئی، ایمانِ عقلی و استدلالی، ایمانِ قلبی ووجدانی سے بدل جاتا ہے۔ وجدانی کے معنی ہوتے ہیں دل میں موجود پائے۔ وَجَدَ۔ یَجِدُ۔ وَاجِدٌ معنٰی پانے والا۔ وہ واجد ہوتا ہے اور اللہ اس کے دل میں موجود ہوتا ہے، قلبی احساسات اور قلبی موجودات کا نام وجدان ہے، جس کو قالب محسوس نہ کرے بلکہ قلب محسوس کرے۔ آنکھیں تو ایک چیز محسوس کررہی ہیں لیکن آنکھوں کا محسوس کرنا اور ان کا فیصلہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان کا احساس اور فیصلے کبھی غلط بھی ہوجاتے ہیں جیسے دیہاتوں میں جہاں جانوروں کا گوبر جمع کیا جاتا ہے، اس کے اوپر مٹی آگئی، بارش ہوگئی سبزہ لہرا رہا ہے، آنکھیں کہتی ہیں بڑا عمدہ سبزہ ہے، چلو آج چار پائی یہیں ڈال لیں، جب چار پائی ڈالی تو دس فٹ نیچے پاخانے میں گھس گئی، تو آنکھوں کا فیصلہ غلط ہوگیا۔

یہ تحقیق حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عرض کررہا ہوں کہ نسبت آنِ واحد میں عطا ہوتی ہے، اس میں تدریج نہیں ہوتی، ایک دن دروازہ اچانک کھلے گا، ﴿لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ قرآن کا وعدہ ہے، لام تاکید با نون ثقیلہ ہے، جو لوگ میری راہ میں مجاہدے کرتے ہیں، غم اٹھاتے ہیں، محنت کرتے ہیں، ہم ضرور بالضرور اس کے لئے ہدایت کے بے شمار دروازے

کھول دیں گے۔ضرور بالضرور! دو دفعہ ترجمہ کرنا لازم ہے ﴿لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ اور سبیل نہیں فرمایا بلکہ سُبُلَ جمع نازل فرمایا، کیا مطلب؟ ایک دروازہ نہیں، بے شمار دروازے ہدایت کے اُس کے لئے کھول دیں گے، بے شمار دروازوں سے اُسے پکاریں گے۔اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

میں سمجھتا تھا مجھے ان کی طلب ہے اصغرؔ
کیا خبر تھی وہی لے لیں گے سراپا مجھ کو

آگے فرماتے ہیں ؎

ہمہ تن ہستیٔ خوابیدہ مری جاگ اٹھی
ہر بُنِ مو سے مرے اس نے پکارا مجھ کو

میں بالکل غفلت میں تھا کہ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میرے بال بال سے کوئی مجھے پکار رہا ہے، مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔اللہ تعالیٰ جس کو جذب کرتے ہیں اور اپنے قرب کا دروازہ کھولتے ہیں اس کا بال بال محسوس کرتا ہے کہ کوئی یاد کر رہا ہے ؎

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

دل محسوس کرتا ہے کہ کوئی ہستی ہے جو مجھے مسجد میں نماز کے لئے بلا رہی ہے، کوئی ہے جو مجھے تہجد کے لئے اٹھا رہا ہے، کوئی ہے جو رونے کی توفیق دے رہا ہے، کوئی ہے جو نافرمانیوں سے بچنے کی توفیق دے رہا ہے، کوئی ہے جو گناہوں پر دل میں ندامت طاری کر رہا ہے، یہ دل کی ندامت کا فیصلہ عرشِ اعظم پر ہوتا ہے۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کوئی شخص دنیا میں توبہ نہیں کرسکتا جب تک اس پر اللہ کا فضل نہ ہو۔

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا﴾

(سورۃ التوبۃ: آیت ۱۱۸)

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((اَیْ وَفَّقَهُمْ لِلتَّوْبَةِ))

(روح المعانی، ج۱۱،ص: ۵۷،مکتبہ رشیدیہ)

اللہ نے ان کو توفیق دی تا کہ وہ توبہ کرلیں۔

لہٰذا دوستو! اللہ سے توفیقِ توبہ مانگنی چاہیے ورنہ اگر وہ توفیق نہ دیں تو ساری زندگی گٹر میں گرا ہوا گزار کر مرجائے گا، گندگی کی حالت میں موت آجائے گی اور نافرمانی سے توبہ نصیب نہیں ہوگی، اس لئے مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

ظالم! ابھی ہے فرصتِ توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جس نے کبھی گناہ نہیں کیا، وہ جانتا ہی نہیں گناہ کیا چیز ہے؟ اس کے لئے تقویٰ آسان ہے اور جس کے نفس نے زندگی میں ایک گناہ بھی کرلیا، اب اس کو ساری زندگی گناہوں سے بچنے کا غم اٹھانا پڑے گا۔

بارگاہِ الٰہی میں ندامت کے آنسوؤں کی قیمت

اور پھر یہ توبہ اور ندامت کے آنسو، تسبیحات سے افضل بھی ہیں۔
علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ القدر کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اپنی تسبیحات کو چھوڑ کر اللہ سے اجازت مانگتے ہیں:

((وَیَشْتَاقُوْنَ اِلَیْهِمْ فَیَسْتَأْذِنُوْنَ فَیُؤْذَنُ لَهُمْ))

(روح المعانی: ج۳۰،ص ۵۸۳،مکتبہ رشیدیہ)

کہتے ہیں یا اللہ! زمین پر کچھ بندے اپنے گناہوں کو یاد کرکے، آپ کی گرفت کو یاد کرکے، قیامت کی ہولناکیوں کو یاد کرکے رو رہے ہیں، ہم ان کے آنسوؤں کو دیکھنا چاہتے ہیں، ہم ان کے آہ و نالوں کو سننا چاہتے ہیں۔

اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ))

(روح المعانی: ج ۳۰، ص ۵۸۳، مکتبہ رشیدیہ)

گنہگاروں کا رونا، توبہ کرنا، معافی مانگنا یہ مجھے سبحان اللہ کہنے والوں کی آوازوں سے زیادہ محبوب ہے ؂

اے جلیل! اشک گنہ گار کے اک قطرہ کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

لہٰذا کسی گنہگار کو حقیر مت سمجھو، اپنے سبحان اللہ کہنے پر نازمت کرو۔ بعض وقت ان کے آہ و نالے، ان کے ندامت کے آنسوان کو فرش سے عرش پر پہنچا دیتے ہیں۔ گنہگاروں کے اشکِ ندامت پر مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا کیا پیارا شعر ہے ؂

کبھی طاعتوں کا سرور ہے کبھی اعترافِ قصور ہے
ہے مَلک کو جس کی نہیں خبر وہ حضور میرا حضور ہے

یعنی فرشتے بھی گنہگار بندوں کی ندامت اور توبہ کے آنسوؤں کی لذت سے واقف نہیں ہیں، اس لئے دوستو! اگر کبھی کسی سے خطا ہو جائے اور آپ کو معلوم بھی ہو جائے تو اس کو حقیر نہ سمجھو بلکہ سمجھ لو کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے توبہ سے اس کو اس مقام پر پہنچا دیا ہو جس پر بڑے بڑے تسبیح والے نہ پہنچ سکتے ہوں کیونکہ ندامت سے شکستگی پیدا ہوتی ہے جو بندہ کو اللہ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

ایک ایک تنکے پر سو سو شکستگی طاری
برق بھی لرزتی ہے میرے آشیانے سے

اور فرماتے ہیں کہ ؂

غم تھا اسیروں کو بال و پر کے جانے سے

نفس وشیطان نے گناہ کرا کے بے بال و پر کر دیا لیکن اللہ والوں کے تعلق کی برکت سے اس کو توبہ کی توفیق ہوئی کہ یا اللہ! میری تو زندگی گناہوں میں گزر گئی، آپ سے رشتہ ٹوٹ گیا تھا، میں دوبارہ آپ سے رشتہ قائم کرتا ہوں، آپ مجھے معاف فرما دیجئے، ہم گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہیں لیکن آپ معاف کرتے کرتے نہیں تھکتے ؎

میں اپنے سارے گناہوں پہ یوں شرمندہ ہوں
جو اُڑ نہ پائے فضا میں، میں وہ پرندہ ہوں
الٰہی! طاقتِ پرواز کر عطا مجھ کو
ابھی حیات ہے باقی، ابھی میں زندہ ہوں

اس کے بعد پھر کیا ہوا؟ بے بال و پر ہو گئے تھے، پھر بال و پر آ گئے اور روح کے پرندے کو طاقتِ پرواز آ گئی، پھر ان کی روح میں کیا قوت آئی ؎

غم تھا اسیروں کو بال و پر کے جانے سے
اڑ چلے قفس لے کر بوئے گل کے آنے سے

شیطان بڑا خوش تھا کہ میں نے ان کو برباد کر دیا، تسبیح وغیرہ سب ختم کرا دی، بدنگاہی کرا دی، جھوٹ بلوا دیا، تہجد قضا کروا دی، شیطان بڑا خوش تھا لیکن اس ظالم کو یہ خبر نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی طاقتِ پرواز عطا کریں گے کہ تعلقات دنیوی کے قفس کو ہی لے کر اڑ جائیں گے۔ سالکین کی روحیں مثل چڑیوں کے ہیں، ان کو شیطان نے اسیر کر کے بال و پر نوچ ڈالے لیکن ان چڑیوں کی آہ اللہ تک پہنچی کہ یا اللہ! اب تو ہم بے بال و پر ہیں، نہایت گئے گزرے، شکستہ حالت میں ہیں، ان کی آہ وزاری اور ندامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کی خوشبو عطا کر دیتے ہیں، پھر ان میں اتنی طاقت آ جاتی ہے کہ وہ بال و پر

کے محتاج نہیں رہتے۔ بندوں کی آہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نامِ پاک میں شامل کر رکھا ہے، آہ پر مجھے اپنا ایک شعر یاد آیا ؎

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں

اے مری آہِ بے نوا تو نے کمال کر دیا

تو ان شکستہ دلوں کی آہ و زاری پر ان کی روح کو جو طاقتِ پرواز اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں، اس پر بھی میرا شعر سنئے ؎

روح کو اپنا سا کر کے لے چلی افلاک پر

اللہ اللہ یہ کمالِ روحِ جولاں دیکھئے

روح کی جولانگی اور روح کی طاقت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

اولیاء اللہ کا مقام

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

پرِّ ابدالاں چوں پرِّ جبرئیل

می پرد تا ظلِّ سدرہ میل میل

اللہ کے اولیاء کا اور ابدال کا پَر جبرئیل علیہ السلام کے پر جیسا ہوتا ہے جیسے وہ ایک دم میں سدرۃ المنتہٰی پر پہنچ جاتے ہیں اسی طرح ابدال کا بھی ایک قدم کراچی میں تو دوسرا شام میں ہوتا ہے، ہم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے، ہم کو تو کھانے پینے ہی سے فرصت نہیں، ہم اپنے جسم کو امپورٹ ایکسپورٹ کا دفتر سمجھتے ہیں، ادھر سے کھاؤ، صبح کو لیٹرین میں نکال دو۔ فرماتے ہیں اے دنیا والو! بہت مرغ مسلّم اور مچھلی کھا چکے ہو ؎

خوئے معدہ زیں کہہ و جو باز کن

خوردنِ ریحان و گل آغاز کن

اب گھاس اور جو کھانا کچھ کم کردو اور ریحان وگل اور پھولوں کی غذا شروع کرو یعنی ذرا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دیکھو کہ ان کا نام لینے سے کیا ملتا ہے؟ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کا نام لیتے ہیں، ذکر کرتے ہیں تو جب وہ اللہ کی محبت و معرفت بیان کرتے ہیں تو ان کے لبوں سے اثر انگیز باتیں اور دلوں کو بدل دینے والا کلام ظاہر ہوتا ہے ؎

ہر کہ باشد قُوتِ او نورِ جلال
چوں نزائد از لبش سحرِ حلال

جن اللہ والوں کی غذا اللہ کا نور، اللہ کا ذکر ہے، ان کے لبوں سے کلامِ مؤثر کیوں نہیں پیدا ہوگا۔ سحرِ حلال کا ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بین القوسین کلامِ مؤثر لکھا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ہماری باتوں میں، ہمارے وعظوں میں وہ اثر نہیں تھا لیکن جب ہم نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اٹھائی، اللہ اللہ کیا تو ایسا اثر پیدا ہوا کہ ؎

جی اٹھے مردے تری آواز سے

چھوٹی چھوٹی باتوں میں اللہ نے اثرِ عظیم رکھ دیا ؎

بظاہر تو ہیں چھوٹی چھوٹی سی باتیں
جہاں سوز لیکن یہ چنگاریاں ہیں

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ اس کا ترجمہ یہ نہیں ہے کہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے بلکہ ترجمہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب ''صرف'' اللہ ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن میں صرف کا لفظ بڑھایا ہے۔ اس لئے کہ رَبُّنَا اللّٰہُ کی عبارت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم جلالہ، اللہ کو بعد میں ذکر کیا، مبتدا کو مؤخر کر کے حصر

کے معنی پیدا کئے، اصل میں عبارت تھی اَللّٰہُ رَبُّنَا لیکن رَبُّنَا اللّٰہُ نازل کیا، مبتدا کو مؤخر کردیا تاکہ علمائے دین اس میں عربی قاعدہ تَقْدِیْمُ مَاحَقُّهُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ کا بھی لطف لے لیں، جس کی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے رعایت رکھی ہے۔ اللہ جزائے خیر دے اس مجدد الملت کو جس نے ایک ایک عربی گرامر اور قواعد کی رعایت کی ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے، لہٰذا ترجمہ یوں ہوگا کہ جو یہ کہے کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے پھر اس پر قائم بھی رہے تو ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ آخرت کے آنے والے حالات کا اندیشہ کرو اور نہ دنیا کے چھوڑنے پر رنج کرو، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بروایت درمنثور تَتَنَزَّلُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ فرشتے تین اوقات میں، تین مواقع پر اتریں گے۔

((عِنْدَ الْمَوْتِ وَفِي الْقَبْرِ وَعِنْدَ الْبَعْثِ))

(تفسیر بیان القرآن: ج ۳ ص ۳۳۱، ملتان)

مرتے وقت، پھر قبر میں، پھر قیامت کے دن۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمائیں گے کہ تم آخرت کی آنے والی ہولناکیوں سے اندیشہ نہ کرو، تم دنیا میں ہم سے ڈر کر رہتے تھے، اب اس کا انعام یہ ملے گا کہ۔

لا تخافوا ہست نزلِ خائفاں
ہست درخور از برائے خائف آں

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نہ ڈرنے کی بشارت ہوگی، جو پہلے ہی سے بے خوف ہیں ان کو یہ بشارت نہیں ملے گی۔ تو مرتے وقت فرشتے کہیں گے اے روح! اللہ کی طرف چل لَا تَخَافُوْا اندیشہ مت کر، تم کو دوزخ و وزخ کا جھٹکا نہیں لگے گا۔ ایک صاحب ہندوستان سے پاکستان آرہے تھے۔ تو پاکستانی کسٹم آفیسر سے وزن وغیرہ میں رعایت لینے کے لئے اس کو کہا میں آپ کو ایک کتاب ہدیہ دینا چاہتا ہوں، جس کا نام

دوزخ کا جھٹکا تھا، اس نے جو نام دیکھا تو ان صاحب سے کہا۔ یہ جھٹکا وٹکا ہمیں مت دو، یہ کتاب اپنے پاس رکھو۔

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کی تفسیر

تو حکیم الامت نے تفسیر میں دو لفظ بڑھائے ہیں کہ لَا تَخَافُوْا نہ اندیشہ کرو دوزخ کی گرفت اور قیامت کے محاسبہ کا وَلَا تَحْزَنُوْا اور نہ غم کرو دنیا کے مال و اولاد کے چھوٹنے کا۔ یعنی لَا تَخَافُوْا سے قیامت کی پکڑ اور دوزخ کے عذاب سے اللہ تعالیٰ نے امن عطا فرمایا اور لَا تَحْزَنُوْا سے دنیا کے غم اور رنج کی تسلی فرمائی کہ اگر بیوی بچے، گھر بار، دوست یار چھوٹ رہے ہیں تو اللہ نعم البدل بھی عطا کر رہا ہے۔ اگر کوئی سوکھی روٹی چھین کر بریانی دے دے تو کوئی اس سے نہیں لڑے گا کہ یہ ہم سے کیوں چھین رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے اپنا قرب دے دیا۔ لہٰذا علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ:

((اَلْخَوْفُ عِبَارَۃٌ عَنْ تَاَلُّمِ الْقَلْبِ بِسَبَبِ تَوَقُّعِ حُصُوْلِ مَضَرَّۃٍ فِی الْمُسْتَقْبِلِ وَالْحُزْنُ عِبَارَۃٌ عَنْ تَاَلُّمِ الْقَلْبِ بِسَبَبِ فَوْتِ نَفْعٍ کَانَ مَوْجُوْدًا فِی الْمَاضِیْ))

(تفسیر الکبیر للرازی: ج۲۷ص۵۶۱، دار احیاء التراث، بیروت)

لَا تَخَافُوْا سے مراد مستقبل کا خوف ہے کہ معلوم نہیں دوزخ میں جائیں گے یا کہاں جائیں گے؟ کیا ہوگا؟ اور حزن دل کی اس بے چینی کا نام ہے جو کسی نفع کے فوت ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ تم آخرت کی آنے والی ہولناکیوں سے اندیشہ نہ کرو اور نہ دنیا کے مال و اولاد کے چھوٹنے پر رنج کرو کیونکہ آگے تمہارے لئے امن ہے مستقبل کے خطرات

سے اور نعم البدل ہے ماضی کے تمام مافات سے۔ دیکھو دنیا ہی میں بشارت مل جائے گی، فرشتوں سے کلام نصیب ہو جائے گا، اس سے مفسرین نے ایک مسئلہ بیان کیا کہ نبیوں سے تو فرشتوں کا کلام ہوتا ہے، اولیاء اللہ سے بھی فرشتے کلام کرتے ہیں۔

جہنم کو بغیر نام لئے اور جنت کو نام لے کر ذکر فرمانے پر علمِ عظیم

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ لَا تَخَافُوْا کو مقدم کیوں فرمایا لَا تَحْزَنُوْا پر؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس غلامِ حکیم الامت کے دل میں یہ عطا فرمایا کہ انسان کی فطرت ہے کہ مستقبل کے خطرات کی زیادہ فکر رہتی ہے، تو اس ترتیب میں رعایتِ فطرتِ انسانیہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں جہنم کا لفظ ذکر نہیں فرمایا لَا تَخَافُوْا اور لَا تَحْزَنُوْا تو فرمایا لیکن نام نہیں لیا اور نعم البدل میں جنت کو نام لے کر ذکر فرمایا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کبھی ایک لفظ سے بھی گھبرا جاتا ہے باوجود اس کے کہ اس کو امن کی خوشخبری دی گئی ہو۔ جیسے کوئی میزبان کسی مہمان سے کہے کہ آپ تشریف لایئے، ہم آپ کو اچھے اچھے کھانے کھلائیں گے اور آپ کی سابقہ خطاؤں پر پٹائی بھی نہیں کریں گے، تو اس عنوان سے وحشت اور کلفت ہوگی یا نہیں؟ اس لئے لَا تَخَافُوْا مِنْ جَهَنَّمَ نہیں فرمایا، سزا کا ذکر ہی نہیں فرمایا اور جنت کا نام لے کر مسرور فرمایا۔ قرآن پاک کی اس بلاغت سے پتا چلتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اب وہ نعم البدل کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ: آیت ۳۰)

اور ملائکہ اور نبیوں کے واسطے سے جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ وعدہ تمہارے حق میں پورا کر دیا گیا۔ تم جنت کے ملنے پر خوش ہو جاؤ

جس کا تم سے پیغمبر کی معرفت وعدہ کیا گیا تھا۔

﴿نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓـؤُكُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَةِ﴾

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ: آیت ۳۱)

ہم تمہارے رفیق تھے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی رہیں گے۔

دل میں نیک ارادوں کا آنا فرشتوں کا فیضان ہوتا ہے

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ فرشتے کہتے ہیں ہم تمہارے ولی تھے دنیا میں اور آخرت میں بھی رہیں گے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں گے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرشتوں کی روایت کے بارے میں تفسیری قول کو ہی لیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی رفاقت اور ساتھ کے کیا معنی ہیں؟ تمہارے دلوں میں جو نیک ارادے آتے ہیں یہ فرشتوں ہی کا فیضان ہے، گو اللہ کی عطا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا بواسطہ ملائکہ ہے، کوئی بندہ جب تہجد پڑھتا ہے، اشراق پڑھتا ہے، اللہ کی یاد میں روتا ہے، گناہ سے توبہ کرنے کا خیال آتا ہے تو یہ انہی فرشتوں کا فیضان ہوتا ہے، فرشتے کہتے ہیں ہم تمہیں دنیا میں نیک باتوں کا الہام کرتے تھے اور حوادث ومصائب میں تمہارے دل میں صبر اور سکینہ رکھتے تھے، تسلی ڈالتے تھے، جس سے تمہارا دل پریشان نہیں ہوتا تھا، گھبراہٹ نہیں رہتی تھی، بدحواسی، حواس باختگی نہیں ہوتی تھی اور خودکشی تک کے ارادے نہیں آتے تھے، برعکس اس کے جس کو یہ نصیب نہیں، نافرمانوں کو کافروں کو دیکھ لو، آئے دن خودکشی کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، تو حدیث شریف کے مطابق فرشتے دل میں نیکیوں کا الہام ڈالتے ہیں اور تسلی کے لئے قریب رہتے ہیں اور مرنے کے بعد قبر سے نکلتے ہی فرشتے استقبال کریں گے۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○

(سورۃ الانبیآء: آیت ۱۰۳)

جن کے لئے اللہ کے یہاں بھلائی مقدر ہو چکی، فزعِ اکبر یعنی بڑی گھبراہٹ ان کو غم میں نہ ڈالے گی اور قبر سے نکلتے ہی فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ کی تفسیر

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ اور تمہارے لئے اس جنت میں جو تمہارا جی چاہے گا وہ چیز موجود ہے وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ اور جو کچھ تم مانگو گے وہ بھی موجود ہے، یہاں دو آیتیں نازل کیں جو تمہارا دل چاہے گا اور جو تم مانگو گے۔ حضرت نے تفسیر میں لکھا ہے کہ جنت میں جنتیوں کی طلب کی دو قسمیں ہوں گی، اضطراری اور اختیاری۔ دونوں تمنائیں پوری ہوں گی، اضطراری یہ کہ خود بخود دل میں خیال آیا، آپ نے زبان سے نہیں کہا، جی میں آیا کہ آج یہ چیز مل جاتی اور فوراً اسی وقت موجود ہوگی۔ اور اختیاری یہ کہ تم اختیار سے مانگو۔ اللہ میاں! آج ہمارا دل یہ چاہتا ہے، وہ بھی ملے گی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے دل میں کوئی تمنا آتی ہے مگر آدمی اس کو زبان پر نہیں لاتا۔ مثال کے طور پر پیچش لگی ہوئی ہے، کباب کھانے کی تمنا دل میں آئی، ڈاکٹر نے منع کیا کہ پیچش میں مرچی والا کباب بند ہے، تو تمنا تو آئی مگر پوری نہیں ہوئی۔ تو جنت میں ایسی صحت، ایسا فضل ہوگا کہ کوئی تمنا مضر نہیں ہوگی۔ وہاں نہ پیچش ہوگی نہ ملیریا، ہر نعمت ہمارے لئے مفید ہوگی، حضرت فرماتے ہیں جو ذات دل کی تمنا پوری

کر دے تو مانگنے پر تو ضرور بالضرور دے گی۔ تو جنت میں اللہ تعالیٰ ہماری تمام خواہشات پوری کر دیں گے، بس پچاس ساٹھ سال ہم اپنی خواہشات پر ذرا کرفیو لگالیں تو غیر محدود حیات کی خواہشات اور عیش کا ذمہ اللہ لیتا ہے، وہاں تو موت بھی نہیں آئے گی۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ کی تفسیر

آخر میں فرماتے ہیں ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ﴾ اور یہ نعمتیں تمہیں بطور مہمانی حاصل ہوں گی۔ یہ نہیں کہ دو روٹیاں پھینک کر کہا کہ اللہ کے نام پر دو روٹیوں کو ہم نے پھینکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم جو نعمتیں جنت میں کھلائیں گے، پلائیں گے اور عطا کریں گے تو یہ ہم تمہارا اکرام کریں گے نُزُل معنی مہمانی، یہ ہماری طرف سے تمہاری مہمانی ہوگی، حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں لکھتے ہیں مہمان کے لفظ سے اللہ نے ثابت کر دیا کہ اللہ اکرام کے ساتھ اپنے جنتی بندوں کو نعمتیں کھلائیں گے۔

نُزُل کے ساتھ غَفُوْر اور رَحِیْم نازل کرنے کی وجہ

اور نزل کے ساتھ دو اسماء حسنیٰ غفور اور رحیم نازل کئے، اس میں کیا راز ہے؟ فرمایا یہ اکرام تو ہے لیکن کہیں میرے بندے اپنے گناہوں کے احساس سے شرمندہ نہ ہوجائیں، جیسے آپ نے کسی کو کسی زمانے میں نافرمانی کر کے ستا دیا، کسی کی جیب کاٹی، کسی کو گالی دی، مگر بعد میں آپ نے معافی مانگ لی، اس نے معاف بھی کر دیا، اس کے بعد اس نے آپ کو بریانی کھلائی تو نگاہ نیچی ہوجائے گی کہ ہم نے اس کو کبھی ستایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم غفور رّحیم ہیں، یہ ہمارا اکرام ہے، ہم ایسی مغفرت و رحمت کی شان بیان کر رہے ہیں تاکہ اپنے گنہگار بندوں کی شرمندگی ختم کر دیں کہ میں نے تمہارے سب گڑبڑ اعمال

کو بخش دیا اور کیوں بخشا؟ مارے محبت کے۔

اَلْغَفُوْرُ کے ساتھ اَلْوَدُوْدُ نازل کرنے کی وجہ

میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ○

(سورۃ البروج: آیت ۱۴)

اللہ نے اس آیت میں **غفور** کے ساتھ **ودود** کیوں نازل کیا؟ غفور کے بعد اور کوئی صفت بھی تو نازل فرما سکتے تھے، لیکن ودود نازل کیا، ودود کے معنی محبت کرنے والا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ نے اپنی بخشش کی وجہ بیان کردی۔ حضرت اس آیت کا ترجمہ پوربی زبان میں یوں فرماتے تھے یعنی اے انسانو! اے میرے غلامو! میں تم کو معاف کردیتا ہوں اس کی وجہ جانتے ہو؟ مارے مَیا کے۔ محبت کی وجہ سے معاف کردیتا ہوں۔ مَیا، محبت اور ممتا کو کہتے ہیں۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ پر ناز اور توکل

ایک مرتبہ لاہور میں سخت سردی میں میزبان حضرت کو کمبل دینا بھول گئے، میری والدہ صاحبہ نے، جو حضرت کے نکاح میں تھیں، عرض کیا کہ آپ میرا کمبل لے لیجئے۔ فرمایا نہیں تم اپنا کمبل اوڑھو، مجھے میزبان بھول گیا، انسان ہے بھول جاتا ہے، آج میں سردی میں ایسے ہی لیٹوں گا، جب اللہ مجھے تکلیف میں دیکھے گا تو اس کو میری محبت و مَیا لگے گی تو خود ہی بھیج دے گا، میزبان جو بھولا ہے اس میں کوئی راز ہوگا۔ چنانچہ کڑاکے کی سردی میں رات بھر تکلیف میں رہے، کروٹ لیتے رہے۔ نو بجے صبح لاہور میں غلام سرور صاحب کے گھر پر مجلس ہوتی تھی، ساڑھے نو بجے فیصل آباد سے ایک صاحب نیا کمبل لے کر آگئے،

کہاں فیصل آباد اور کہاں لاہور! چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ کمبل میں آپ کے لئے ہدیہ لایا ہوں۔ حضرت نے سر آنکھوں پر رکھا اور رونے لگے، والدہ صاحبہ سے جا کر فرمایا کہ دیکھو! اللہ کو میا لگی یا نہیں؟ اللہ اللہ! مولیٰ کے ان عاشقوں کا ناز تو دیکھو۔ مگر ان کا منہ ہوتا ہے، ناز کے لئے ایسا منہ بھی چاہیئے، ہر ایک کا منہ کب اس قابل ہے لیکن دوستو! ناز تو نہ کرو لیکن کبھی اپنے گناہوں کو اللہ کی عطا کے لئے مانع بھی مت سمجھو، ایک حدیث میں ہے:

((اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ))

(صحیح البخاری: باب الدعاء بعد الصلوٰۃ، ج ۲ ص ۹۳۷)

اللہ کی عطا کو کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی، نہ کفر، نہ زنا، نہ شراب، نہ اور کوئی چیز، جب اللہ عطا کرنا چاہے تو کافر کو مؤمن بنا دیتا ہے، فاسق کو ولی بنا دیتا ہے۔ لَا مَانِعَ کے کیا معنی ہیں؟ لائے نفی جنس ہے یعنی میری عطا کو کائنات کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ آپ دیکھتے ہیں کتنے کافر مسلمان ہوجاتے ہیں اور کتنے گنہگار ولی اللہ بن جاتے ہیں۔

ان آیات سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سلوک اور تصوف کے مسائل بیان فرمائے ہیں کہ ملائکہ کا نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فرمانا فِیْهِ جَوَازُ کَلَامِ الْمَلٰٓئِکَةِ اس کی دلیل ہے کہ غیر نبی یعنی امتی سے بھی فرشتوں کی گفتگو جائز ہے، تب تو فرشتے کہہ رہے ہیں نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ ہم تمہارے ولی ہیں۔ حضرت نے بیان القرآن میں لکھا ہے اس کے اندر ملائکہ سے کلام کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تو یہ ثُمَّ ویسے تو دو طرح کے معانی کے لئے آتا ہے، رتبہ اور تراخی کے لئے، یہاں رتبہ اور درجہ بیان کرنے کے لئے ہے کہ ایمان لانے کے بعد جو اپنے ایمان پر استقامت رکھتے ہیں، ان کا درجہ اللہ کے نزدیک زیادہ بلند ہے اور جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ پر قائم نہیں رہتے، اِدھر اُدھر گڑبڑ کردیتے ہیں اور

لومڑیوں کی طرح سے یَرُوْغُ رَوْغَانَ الثَّعَالِبِ نفس کے مقابلے سے چھپ جاتے ہیں، تو ان کا درجہ کم رہے گا۔

استقامت کی تین اقسام

استقامت کی تین قسمیں ہیں، نمبر ایک: عام لوگوں کی استقامت، عام لوگوں کی استقامت یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر عمل کرلیں اور جن بری باتوں سے اللہ نے منع فرمایا ہے ان سے بچیں اور اپنے باطن میں ایمان رکھیں، یہ عام درجہ ہے۔ نمبر ۲: خاص لوگوں کی استقامت، جو اللہ کے خاص پیارے بندے ہوتے ہیں، یہ ہے کہ دنیا سے رخ پھیرے ہوئے ہوتے ہیں اور باطن میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قرب سے مشرف ہوتے ہیں، ان کا دل اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے، اپنے رب کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ نمبر ۳: ایک خاص الخواص کی بھی استقامت ہوتی ہے، یعنی اولیاء میں بھی خاص میں سے خاص، ان کا نام اخص الخواص ہے۔ ان کی استقامت یہ ہے کہ ہر وقت اللہ سے اپنی جان و مال کا سودا کرتے رہتے ہیں، جان کا سودا کیسے کرتے ہیں؟ جب دل چاہا کہ کسی حسین پر نظر ڈال لوں تو نگاہ نیچے کرلی ؎

گزر گئی جو گزرنا تھی دل پہ پھر بھی مگر
جو تیری مرضی کے بندے تھے لب ہلا نہ سکے

گناہ کا شدید تقاضا ہوا لیکن اپنے دل کو توڑ کر اس گناہ سے بچ گئے، نفس کہتا ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ اللہ نے حسینوں سے بچنے کا حکم دے دیا؟ انسان کی فطرت تو یہی ہے کہ جس چیز سے اس کو روکا جائے تو اس کی طرف اور مائل ہوتا ہے، اس پر میرا ایک شعر ہے ؎

ہم تو مَائِلِ هَلْ مِنْ مَّزِيْد رہے
ان سے کچھ فاصلے مفید رہے

یہ لَا تَقْرَبُوْا کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ صحبتیں جن کو دیکھنا، جن کے پاس اٹھنا بیٹھنا تمہاری صحتِ ایمانی کے لئے مضر ہو، تم ان سے دور رہو، ان کو پی اے مت رکھو، اگر عورتوں کو پی اے رکھو گے تو بے پئے، پئے رہو گے، اگر لَا تَقْرَبُوْا رہو گے تو لَا تَفْعَلُوْا رہو گے، جو گناہ سے دور رہے گا وہ بچا رہے گا اور اگر تَقْرَبُوْا ہوئے تو تَفْعَلُوْا ہو جاؤ گے، پھر بچ نہیں سکتے۔ یہ قرآن کا معیار ہے۔ جو ان حسینوں سے اپنے قلب و نظر کو بچالے گا، اُس کے دل میں اپنی اس حرام خواہش کو کچلنے سے ایک غم آئے گا، یہ غم ایسا غم ہو گا ہزاروں خوشیاں اس غم کے سامنے ہیچ ہوں گی، پھر میرا یہی شعر تھوڑا سا تبدیل کر کے پڑھے گا ؎

میرے ایامِ غم بھی عید رہے
اُن سے کچھ فاصلے مفید رہے

صدیق کون ہے؟

تو اخص الخواص اولیاء اللہ وہ ہیں جو اپنی جان و مال کو ہر وقت اللہ کے ہاتھ بیچتے رہتے ہیں، یہ صدیقین کا مقام ہے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صدیق، اولیاء اللہ کا سب سے بڑا درجہ ہے، اب صدیق کی تعریف سن لو:

((اَلَّذِیْ یَبْذُلُ الْکَوْنَیْنِ فِیْ رِضَا مَحْبُوْبِہٖ تَعَالٰی شَانُہٗ))

(روح المعانی: ج ۱۳ ص ۹۸، مکتبہ رشیدیہ)

جو اپنے محبوب حقیقی، اللہ پر دونوں جہان فدا کر دے، دونوں عالم دے دے ؎

دونوں عالم دے چکا ہوں میکشو
یہ گراں مے تم سے کیا لی جائے گی

اللہ کی شرابِ محبت بڑی مہنگی والی ہے:

((اَلَآ اِنَّ سِلۡعَۃَ اللّٰہِ غَالِیَۃٌ))

(مشکوٰۃ المصابیح (قدیمی): ص ۵۷۱)

اِسے اولیائے صدیقین خریدتے ہیں۔

ساری کائنات سے زیادہ قیمتی گفتگو

آخر میں ہے:

﴿وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ﴾

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ، آیت ۳۳)

اللہ تعالیٰ کے وہ بندے مبارک ہیں جو ہماری طرف بلاتے ہیں، میرے بندوں کو میری محبت ومعرفت سکھاتے ہیں۔ دنیا میں گفتگو تو بہت لوگ کرتے ہیں، گفتگو تو بیوی سے بھی ہوتی ہے، تجارتی بھی ہوتی ہے، پلاٹ کی خریداری کی بھی ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مبارک وہ بندے ہیں جن کی گفتگو میں میری محبت کے تذکرے ہوتے ہیں، جو ہماری طرف دعوت دے، ہماری طرف بلائے ہماری محبت کی گفتگو کرے وہ بہت ہی مبارک ہے، اس کا قول بھی مبارک ہے، ساری کائنات کی گفتگو سے اس کی گفتگو قیمتی ہے کیونکہ قیمتی ذات کی گفتگو کر رہا ہے۔

داعی الی اللہ غیر صالح ہو تو اُس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی

لیکن آگے فرماتے ہیں وَعَمِلَ صَالِحًا جب دعوت الی اللہ دے، اللہ کی طرف بلائے تو صالح عمل بھی کرے۔ اس سے حضرت لکھتے ہیں کہ مسئلہ تصوف کا ثابت ہوا کہ جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہیں ان کو اعمالِ صالحہ سے غفلت نہیں کرنی چاہیے ورنہ برکت نہیں ہوگی۔

((وَ فِی الْاٰیَةِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّهٗ یَنْبَغِیْ لِلدَّاعِیْ اِلَی اللهِ تَعَالٰی اَنْ یَّکُوْنَ عَامِلًا عَمَلًا صَالِحًا لِّیَکُوْنَ النَّاسُ اِلٰی قُبُوْلِ دُعَآءِهٖ اَقْرَبُ وَ اِلَیْهِ اَسْکَنُ))

(تفسیر روح المعانی: ج۲۴ ص ۵۱۲؛ مکتبہ رشیدیہ)

(بیان القرآن (ملتان) ج۳ ص ۳۳۴)

یعنی جو دعوت الی اللہ کرتے ہیں ان کو اعمال صالحہ کا اہتمام کرنا چاہیے، اللہ کے اس کلام میں شیخ و مرشد کی صفت کے بارے میں یہ اشارہ ہے، مشایخ نے اس کی تصریح کی ہے۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

((اَلشَّیْخُ غَیْرُ الشَّاغِلِ لَا یَکُوْنُ فِیْ تَعْلِیْمِهٖ بَرَکَةٌ))

(تفسیر بیان القرآن ج۳ ص ۳۳۴، مطبوعہ ملتان)

جو شیخ اللہ اللہ نہیں کرتا، عمل صالح نہیں کرتا، اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی، اس لئے علماء کو چاہیے کہ خود بھی عبادت و عمل صالح کریں، اللہ کا نام لیں پھر منبر پر آئیں، خلوت سے جلوت کے مزے ہیں، باطن سے ظاہر کے مزے ہیں، جب خلوت کا مزہ لے لیا اب جلوت کا بھی مزہ لو۔

اچھا! جب دین کی طرف بلاؤ گے اور عاشقانہ بلاؤ گے ؎

جہاں جاتے ہیں ہم ترا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

تو کچھ حاسد پیدا ہو جائیں گے اور ستائیں گے تو تم ان کی برائیوں کو اچھے اخلاق سے دفع کرنا۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے اخلاق حمیدہ سکھا دیئے:

((فِیْهِ تَعْلِیْمٌ لِّلْاَخْلَاقِ الْحَمِیْدَةِ))

(تفسیر بیان القرآن (ملتان) ج۳ ص ۳۳۴)

جو تم سے برائی کرے اس کو بھلائی سے جواب دو۔

برائی کو بھلائی سے دفع کرنے کا صلہ

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دو آدمی ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے کہ اگر تو ایک گالی دے گا تو میں تجھے سو گالیاں دوں گا، مولانا نے فرمایا تم مجھے ہزار گالیاں دے دو میں تمہیں ایک بھی گالی نہیں دوں گا، دونوں اسی وقت تائب ہو گئے۔ تو کوئی برائی کرے تم اس کو بھلائی سے دفع کرو، پھر کیا ہو گا؟ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ گویا کہ وہ تمہارا دوست بن جائے گا اگر پورا دوست نہ بھی بنا تو کَاَنَّہٗ کا کاف ضرور داخل ہو جائے گا یعنی ستانے سے باز رہے گا۔ بعض کی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ چاہے ان پر کتنا ہی احسان کر دو لیکن وہ باز نہیں آتے، تو اتنا ہو جائے گا کہ وہ کھلم کھلا ستانے سے باز آجائیں گے، تو کَاَنَّہٗ لگا کر اس میں ان لوگوں کو بھی داخل کر دیا ورنہ اعتراض ہو جاتا کہ میں نے فلاں صاحب کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا لیکن وہ مجھے ستانے سے باز نہیں آئے تو کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ گویا کہ وہ گہرا دوست بن جائے گا، ستانے سے تائب ہو جائے گا۔

صبر کی تین اقسام

﴿وَمَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا﴾

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ، آیت ۳۵)

اخلاقی بلندیوں کی یہ عظیم دولت ان ہی کو ملتی ہے جو مجاہدہ کرتے ہیں، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے صبر کے معنی مجاہدہ کے لکھے ہیں (تفسیر بیان القرآن (ملتان) ج ۳ ص ۳۳۴) یعنی اللہ نہیں ملتا جب تک کہ مجاہدہ نہ کرے اور صبر کی تین قسمیں ہیں، جہاں جہاں قرآن میں صبر آیا ہے وہاں تینوں معنی لے لینا: نمبر ۱۔ اَلصَّبۡرُ فِی الۡمُصِیۡبَۃِ: مصیبت پر صبر کرنا۔ مصیبت آجائے تو اللہ پر

راضی رہے کہ ضرور اس میں میرے لئے کوئی خیر ہے، یہ یقین کرنا فرض ہے جیسا کہ نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصیبت میں اپنے لئے خیر سمجھنا فرضِ عین ہے، یہ نہ سمجھو کہ کہاں سے یہ مصیبت میری قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔

حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سناتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ، لاہور کے بانی اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلیفہ تھے، میں نے بھی ان کی زیارت کی ہے اور ان کے جنازے میں بھی شریک ہوا تھا۔ ان کی نمازِ جنازہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب تھانہ بھون اپنے شیخ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اصلاح کے لئے چالیس دن لگا رہے تھے، آ کر حضرت حکیم الامت سے عرض کیا کہ حضرت! آج گھر سے خط آیا ہے، سب بچے بیمار ہیں، بیوی بھی بیمار ہے، اس کی وجہ سے میں بہت تشویش میں ہوں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ معقول و منقول کے امام تھے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں جواب بھی منطق والا عطا فرمایا۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ مفتی صاحب! جب مومن کا اعتقاد مقدر پر ہے تو پھر اس کو مکدر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا﴾

(سورۃ التوبۃ: آیت ۵۱)

فرمایا کہ لنا کا لام یہاں نفع کے لئے ہے۔ مومن کو جو مصیبت پہنچتی ہے تو اس میں مومن ہی کا نفع ہے۔ مومن کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اس میں سراسر مومن ہی کا فائدہ ہے کیونکہ اس میں چار ہی صورتیں ممکن ہیں۔ چیلنج کرتا ہوں کہ پانچویں کوئی صورت نہیں ہے۔ (۱) مومن کو تکلیف دے کر اللہ سو فیصد فائدہ اٹھالے۔ یہ ناممکن

ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا نعوذ باللہ بندوں کا محتاج ہونا لازم آتا ہے اور وہ سارے عالم سے بے نیاز ہے لہٰذا یہ صورت محال ہے۔ (۲) سو فیصد نہیں بلکہ پچاس فیصد نفع اللہ کا ہو پچاس فیصد بندہ کا ہو۔ ففٹی ففٹی۔ یہ بھی ناممکن ہے، اس میں بھی اللہ کا محتاج ہونا لازم آتا ہے۔ (۳) تیسری صورت یہ کہ نہ بندہ کا فائدہ ہو نہ اللہ کا فائدہ ہو۔ جس کو چاہا کھانسی دے دی، جس کو چاہا بخار دے دیا، کسی کو غم دے دیا، کسی کو ایکسڈنٹ کرادیا۔ تو بے فائدہ کام کرنا، فضول اور لغو کام کرنا یہ اللہ کی عظمت کے خلاف ہے، اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (۴) اب صرف ایک ہی شکل باقی رہ گئی کہ ہر مصیبت اور تکلیف میں سو فیصد مومن ہی کا فائدہ ہے۔ سبحان اللہ۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا اُسی وقت دل میں برف کی طرح ٹھنڈک آ گئی، تسلیم و رضا کی کیفیت طاری ہوگئی۔

نمبر ۲۔ اَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِيَةِ: گناہوں سے بچنے پر صبر کرنا، انسان کو گناہ کے لئے بڑی بے چینی ہوتی ہے، تو اس کے نہ کرنے پر صبر کرنا، نمبر ۳۔ اَلصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَةِ: عبادات اور نیکیوں پر جمے رہنے پر صبر کرنا۔ جو معمولات ہیں ان کو ذرا ذرا سے بہانے سے مت چھوڑو۔ ایک چھینک آ گئی بس سب وظیفہ چھوڑ دیا کہ آج تو مجھے زکام ہو گیا اور اگر ابھی ایک لاکھ روپیہ کہیں مل رہا ہو تو زکام ساتھ میں اور دوا کی شیشی ہاتھ میں لئے بھاگا چلا جائے گا مگر اللہ کا نام لینے کے لئے بہانے کرتے ہیں کہ آج طبیعت میں سستی ہے۔

﴿وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ جو لوگ ہم کو خوش کرنے کے لئے ہر مصیبت پر راضی رہتے ہیں، گناہوں سے بچنے کا غم اٹھاتے ہیں اور جو ہم کو راضی کرنے والے اعمال پر جمے رہتے ہیں یہ نعمت نہیں عطا ہوتی مگر بڑے نصیب والوں کو، یہ نعمت ہر کسی کو نہیں ملتی، دشمنوں کو تو دی ہی نہیں جاتی، دوستوں میں بھی بڑے قسمت والوں کو دی جاتی ہے، جو خاص اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔

تصوف کے تین مسائل

﴿وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ﴾ اور جب تمہیں کوئی ستائے اور تمہیں غصہ آئے تو شیطان غصے کو اور بھی بھڑکائے گا، مارو اس کو اس نے ایک لگایا ہے، اس کو دو لگاؤ اور کہتے ہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دو، اللہ تعالیٰ اس آیت کو نازل کر کے یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ اگر تم کو شیطان وسوسہ ڈالے، انتقام لینے کے لئے جذبات کو بھڑکائے تو تم فوراً اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ۔حضرت نے اس سے تین مسئلے تصوف کے بیان القرآن کے حاشیہ میں بیان فرمائے ہیں جس کا نام مسائل السلوک ہے۔

(تفسیر بیان القرآن (ملتان) ج ۳ ص ۳۳۴)

نمبر ایک: کہ کاملین کو بھی وسوسے آسکتے ہیں لہٰذا وسوسہ آنے سے پریشان نہیں ہونا چاہئے اور نمبر ۲: وسوسہ کا آنا مضر بھی نہیں ہے۔ ((وَ کَوۡنُھَا غَیۡرَ مُضِرَّۃٍ لِّمَنِ الۡتَجَأَ اِلَی اللّٰہِ)) حضرت لکھتے ہیں کہ جو اللہ سے پناہ مانگے گا اس کو وسوسے مضر بھی نہیں ہوں گے بلکہ مفید بن جائیں گے کیونکہ اسی وسوسے سے وہ اللہ کی طرف رجوع ہو رہا ہے، رجوع الی اللہ کی برکت سے سب خیر بن جائے گا، جو غفلت تھی وہ بھی دور ہو گئی مثلاً کسی بچہ کو محلہ والے نے دس ڈنڈے لگائے تو اب ابا کو پکارتا ہے کہ ابا ابا دوڑو سب مار رہے ہیں، ارے ظالم! یہ ڈنڈے لگے تو ابا یاد آیا۔ تو وسوسوں کے ڈنڈوں سے کبھی اللہ تعالیٰ اپنا ربّا ہونا یاد دلا دیتے ہیں، نمبر ۳: جو دعوت الی اللہ کر رہے ہیں، اللہ کے دین کی خدمت کر رہے ہیں، وہ بھی اللہ کی پناہ چاہنے میں اور غفلت سے حفاظت میں خدا سے گڑ گڑا گڑ گڑا کر دعا کرتے رہیں، غفلت سے مامون نہ ہوں ورنہ اللہ کیوں فرماتے فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ سید الکاملین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرما رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے

بڑھ کر کون کامل ہوسکتا ہے؟ حکیم الامت مسائل السلوک میں لکھتے ہیں ((لَایَنْبَغِیْ لِلدَّاعِی الْاَمْنُ)) دعوت الی اللہ والوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ نفس وشیطان سے مطمئن ہوجائیں کہ میں پیر، مرشد یا خلیفہ بن گیا، فرماتے ہیں وہ بھی اللہ سے ڈرتے رہیں، غفلت اور شیطان کے مکروتدبیر سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔

خالقِ شمس وقمر سے دوستی کرو

آگے فرماتے ہیں:

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ﴾

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ: آیت ۳۷)

تم لوگ سورج اور چاند کو سجدہ مت کرو، ان کے اندر کتنی ہی چمک ہو، یہ فانی ہیں، صبح اگر بارہ بجے سورج کو سجدہ کیا تو مغرب کے بعد نہیں پاؤ گے، اور اگر چودھویں تاریخ کے چاند کو بہت پیار کرلیا تو اس کے بعد گھٹنے لگے گا، تم آسمان پر تلاش کرتے رہو، پھر نظر بھی نہیں آئے گا۔ فرماتے ہیں ان کے خالق سے دوستی کرو، چاند اور سورج سے محبت مت کرو، جو ان کا خالق ہے، اس سے دل لگاؤ۔ اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

توڑ ڈالے مہ و خورشید ہزاروں ہم نے
تب کہیں جا کے دکھایا رخِ زیبا تو نے

ہم نے بہت سے چاند وسورج توڑ ڈالے یعنی حسینوں کی طرف سے نگاہ کو ہٹایا، تب اللہ ملا۔ اس آیت سے ایک بات اللہ نے میرے دل میں ڈالی کہ سورج و چاند کو سجدے مت کرو، ان سے دل مت لگاؤ، ان کو معبود مت بناؤ۔ اسی طرح جب انسان کسی دنیاوی صورت کو دیکھتا ہے، کسی نامحرم حسین کو دیکھتا ہے تو

ناپاک ہوجاتا ہے، جماعت کی نمازیں چھوٹ جاتی ہیں، دل غافل ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب فانی ہیں، یہ تمہیں نفع اور ضرر نہیں دے سکتے، یہ تمہاری کچھ مدد نہیں کرسکتے، اگر تم بیمار ہوجاؤ، اگر تمہارے گردے میں پتھری پڑجائے، اگر تمہیں بلڈ کینسر ہوجائے تو یہ تم کو صحت نہیں دے سکتے۔ تمہاری عزت تمہاری ذلت تمہاری حیات وموت وبیماری کا مالک صرف اللہ ہے، اس سے دل لگاؤ تو دنیا میں بھی راحت سے رہو گے اور آخرت میں بھی راحت ملے گی، بس اُس خالق سے رابطہ قائم کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اس لئے مولانا فرماتے ہیں ؎

اے دل ایں قمر خوشتر یا آں کہ قمر سازد
اے دل ایں شکر خوشتر یا آں کہ شکر سازد

اے دل! یہ چاند زیادہ حسین ہے یا چاند کا بنانے والا، اے دل یہ چینی زیادہ میٹھی ہے یا چینی کا بنانے والا زیادہ میٹھا ہے۔

دوستو! اللہ کا نام لینا سیکھو، زندگی کا مزہ آجائے گا کہ حیات کس کو کہتے ہیں؟ واللہ! اپنے بزرگوں کی قسم پر مسجد کے اندر قسم کھاتا ہوں کہ دنیا کے سلاطین نے بھی دنیا کا مزہ نہیں پایا کہ دنیا ہے کیا چیز! دنیا کا مزہ انبیاء واولیاء نے چکھا، جنہوں نے خدا کو یاد کرکے اس زمین کو آسمان بنالیا۔ میرا شعر یاد آیا ؎

میرا سر ہے اور ان کا آستاں
ہے زمیں بھی میرے حق میں آسماں

اور حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

میں گو مجذوبؔ ہوں لیکن بہ فیضِ مرشدِ کامل
اگر سجدے میں سر رکھ دوں زمیں کو آسماں کردوں

یہی کہتا ہوں کہ اللہ والوں کی جانوں میں جو چین وسکون ہے، کائنات کے بادشاہوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں ہوسکتا، سوچ ہی نہیں سکتے، تصور میں

بھی نہیں لا سکتے۔

شاہوں کے سروں میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے

اور اہل صفا کے سینوں میں اک نور کا دریا بہتا ہے

اللہ اپنی رحمت سے ہم سب کو اپنی عظیم الشان محبت، اولیاء صدیقین کی سطح والی محبت عطا کردے۔ دوستو! یہ نہ کہو کہ ہمارا چھوٹا منہ ہے، بڑی بات کیسے مانگیں، یہ چھوٹا منہ بڑی بات دنیاوالوں کے لئے ہے، اللہ ہمارے منہ کا خالق ہے، وہ ہمارا منہ بھی بڑا بنانا جانتا ہے، وہ ظرف بھی دینا جانتا ہے، مظروف بھی دینا جانتا ہے۔ اس لئے ہم ان سے ان کے کریم ہونے کی حیثیت سے مانگتے ہیں اور کریم کی تعریف یہ ہے کہ جو بلا استحقاق دے دے، ہم نااہل ہیں بیشک ہمیں اس کا اقرار ہے۔ اے اللہ آپ کریم ہیں، آپ کے کریم ہونے کی حیثیت سے ہم بلا استحقاق آپ سے اولیاء صدیقین کا ایمان اور ان کی حیات اور ان کا یقین، ان کا خوف اور جو کچھ بھی آپ ان کے سینوں میں عطا فرماتے ہیں، آپ اپنے کرم اور اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرما دیجئے اور ہماری دنیا بھی اور آخرت بھی دونوں سنوار دیجئے، ہماری تخریب کی منتہا کو اپنی تعمیر کے نقطۂ آغاز سے درست فرما دیجئے کیونکہ آپ کی تعمیر کا ارادہ اور نقطۂ آغاز ہماری انتہائے تخریب کی تعمیر کے لئے کافی ہے۔ اے اللہ آپ بڑی قدرت والے ہیں، بہت بڑے اللہ ہیں، آپ جتنے بڑے ہیں، اتنی ہم سب پر رحمتیں نازل فرما دیجئے۔ اے اللہ! آپ کا نام بہت بڑا ہے، بہت بڑا ہے، بہت بڑا ہے، جتنا بڑا آپ کا نام ہے اتنا ہم پر فضل اور اپنی رحمتیں نازل کر دیجئے۔ کسی ایک شخص کو بھی محروم نہ فرمایئے، ہم سب کی جانوں کو صاحبِ نسبتِ لازمہ اور صاحبِ نسبتِ متعدیہ بنا دیجئے، اے اللہ! آپ کی رحمت سے جو لوگ بھی یہاں آتے ہیں اور جتنے بھی سالکین دنیا میں آپ کی تلاش میں ہیں، سب پر اپنے سلوک کو آسان فرما دیجئے، اپنے راستے کو آسان فرما دیجئے اور ہمارا مقصد آپ بن جایئے، دنیا کو ہمارا مقصد نہ بننے دیجئے، آپ اپنی حفاظت میں

ہم سب کو قبول فرمالیجئے۔بس تھوڑے سے وقت میں ہم کچھ نہیں مانگ سکتے، نہ وقت ہے، نہ زبان ہے، نہ الفاظ ہیں۔اپنے فضل اور اپنے علم کے اعتبار سے اپنی رحمت کے سمندر رانڈیل دیجئے کیونکہ سارے خزانوں کے آپ مالک ہیں اور اپنے خزانوں سے آپ بے نیاز ہیں، سلاطین اپنے خزانوں کے مالک تو ہیں مگر اپنے خزانوں کے محتاج بھی ہوتے ہیں۔آپ اپنے زمین وآسمان کے خزانوں کے مالک ہیں لیکن اپنے خزانوں سے بے نیاز ہیں، آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے، ہم فقیروں کے لئے آپ کے خزانے وقف ہیں اس لئے ہم بھیک مانگتے ہیں کہ آپ اپنے زمین وآسمان کے خزانے، اپنے قرب ورحمت ورضا کے خزانے ہم پر سمندر کی طرح بارش فرمادیجئے اور اس سے بھی بچائیے کہ ہم اس نعمت کو دیکھ کر اترانے لگیں، ہمیں عبدیت اور فنائیت بھی عطا فرمائیے، ہمیں اتنا مٹنے کی توفیق عطا فرمائیے کہ ہمیں اپنے مٹنے کا احساس بھی نہ ہو، یا اللہ! اتنا مٹائیے، اتنا مٹائیے کہ آپ خوش ہوجائیں، آپ کی خوشی سے بڑھ کر ہمارے لئے دونوں جہان میں کوئی نعمت نہیں ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ